جرابوں پر مسح

جناب ملک غلام علی صاحب

بعض احباب نے اُس فتوے کی جانب مجھے متوجہ کیا ہے جو ماہنامہ "البلاغ" کراچی، جمادی الاُولیٰ ۱۳۹۷ھ میں جناب محمد تقی صاحب کے قلم سے "مروجہ موزوں پر مسح" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے اور مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ اس میں مولانا مودودی کے ایک جواب مندرجہ "رسائل و مسائل" حصہ دوم کو جس طرح تنقید اور طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا ہے اس کا جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ ترجمان کے صفحات میں اس "فتوے" پر تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"مروجہ موزوں پر مسح" کے موضوع پر جو کچھ مدیر "البلاغ" نے لکھ کر چھاپ دیا ہے اس میں اگر وہ یہ کہہ دیتے کہ ہر طرح کی جرابوں پر مسح فقہ حنفی یا کسی دوسرے خاص فقہی مسلک کے مطابق جائز نہیں ہے اور قولِ جواز کو رد کرتے ہوئے وہ اپنی تحقیق یا احناف کے اقوال نقل کر دیتے تو ان کا مقصد حاصل ہو جاتا اور ہمیں بھی اس سے تعرض کرنے کی حاجت نہیں تھی۔ لیکن جناب محمد تقی عثمانی صاحب نے اس پر اکتفا کرنے کے بجائے یہ ثابت کرنا بھی ضروری سمجھا ہے کہ "اس مسئلے میں سید ابوالاعلیٰ صاحب نے جمہور اُمت سے الگ راستہ اختیار کیا ہے" اور ساتھ ہی یہ الزام بھی عاید کیا ہے کہ "یہ اُن بہت سے مسائل میں سے ایک ہے جن میں جناب مودودی صاحب کی راہ جمہور سے الگ ہے۔ اگرچہ علامہ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی رائے بھی یہی ہے جو مودودی صاحب کی ہے مگر یہ ایک سنگین جسارت ہے۔"

"مسئلے کی اصل حقیقت کو پوری طرح سمجھانے کے لیے" سب سے پہلے عثمانی صاحب نے ایک فقہی قاعدہ بیان کیا ہے کہ کسی حدیثِ متواتر کی موجودگی کے بغیر کسی قرآنی حکم میں کوئی تقیید درست نہیں اور اخبار آحاد سے قرآن کریم کا نسخ، اس کی تقیید یا اس پر زیادتی جائز نہیں۔ عثمانی صاحب نے جس طرح مسح علی الجوربین کے

عدم جواز پر اجماعِ اُمت کا دعوٰی کیا ہے اُسی طرح اُنہوں نے مذکورہ فقہی اصول بھی اِس طرح بیان کر دیا ہے گویا کہ وہ کتاب و سنت کی کوئی نص ہے یا اس پر بھی اجماعِ اُمت ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس قاعدے کو صرف حنفی فقہاء نے اپنایا ہے اور انہوں نے بھی اسے جس شدّ و مد کے ساتھ اپنی کتب اصول میں ثبت کیا ہے اپنے اجتہادات و تفریعات میں انہوں نے اُس شدت و شان سے اس کی پابندی نہیں کی۔ بے شمار مسائل ایسے ملتے ہیں جن میں حضراتِ حنفیہ نے خبرِ واحد (جس کی سند صحیح یا حسن اور بعض اوقات ضعیف ہے) اور قولِ صحابی کو اِس طرح اپنے استنباط کی بنیاد بنایا ہے کہ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی قرآن کے فلاں عام حکم کی تقیید و تخصیص ہے۔ جہاں تک دوسرے فقہاء و محدثین کا تعلق ہے وہ حنفیہ کے اِس قاعدۂ مذکور کو علی الاطلاق صحیح نہیں سمجھتے، نہ اسے حدیث کے ردّ و قبول کے لیے معیار بناتے ہیں۔ فقہائے حنفیہ نے جہاں اپنا یہ اصول بیان فرمایا ہے بالعموم وہیں یہ واضح کر دیا ہے کہ شافعیہ اور دیگر فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر نور الانوار میں نسخ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں:

"قرآنی حکم کے عموم کو جب مقید کیا جاتا ہے یا نصِ قرآنی سے زائد حکم حدیث میں وارد ہوتا ہے تو ہم اسے نسخ کہتے ہیں اور شافعی رحمۃ اللہ اسے تخصیص و توضیح کا نام دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ تقیید و تخصیص صرف متواتر و مشہور حدیث کی بنا پر جائز ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ خبرِ واحد کے ذریعے سے بھی جائز ہے۔" (نور الانوار صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ مصطفائی ۱۳۰۵ھ)

امام شافعیؒ نے اپنے اصولِ فقہ پر جو کتابچہ "الرسالہ" کے عنوان سے تحریر کیا ہے اس میں بھی الناسخ والمنسوخ کی بحث میں انہوں نے اخبارِ آحاد کی مثالیں دی ہیں جن سے قرآنی حکم کے عموم میں تخصیص و تحدید کی گئی ہے حالانکہ اُن کی سند متصل نہیں اور بعض راوی بھی مجہول ہیں۔ مثلاً لا وصیۃ لوارث (وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں) کی سند ملاحظہ ہو:

اخبرنا سفیان عن سلیمان الاحول عن مجاهد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا وصیة لوارث۔

اس روایت کو حنفیہ نے بھی اُسی طرح اپنا ماخذِ اجتہاد و تشریع بنایا ہے جس طرح دوسروں نے بنایا ہے۔ اسی پر کیا موقوف ہے، قاتل کا مقتول کے ورثے سے محروم ہونا، سونے کا نصاب بیس مثقال ہونا، والدین پر قتلِ اولاد کا قصاص نہ ہونا۔ غرض اس طرح کے متعدد مسائل ایسے ہیں کہ جن روایات سے یہ مستنبط ہیں وہ سب

کی سب نہ صرف خبر واحد کی تعریف میں آتی ہیں، بلکہ محدثانہ معیار کے مطابق ان کی سند بھی قوی نہیں۔ مگر جملہ فقہاء و محدثین (بشمولِ احناف) نے اس طرح کی روایات کو اپنے مسائل کا ماخذ و مبنیٰ بنایا ہے، حالانکہ حنفیہ کے بیان کردہ قاعدے کے مطابق ان سے قرآن مجید کے عام حکم کی تخصیص ہوتی ہے۔ ان احادیث کو معمول بہ بنانے کے بعد اس امر کی چنداں اہمیت نہیں رہتی کہ فقہاء ان پر انحصار کی کیا توجیہ و تاویل بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ جو احکام ان سے ماخوذ ہیں، وہ نص قرآنی سے دلالۃً بھی ثابت ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ روایات گو آحاد ہیں، تاہم ایک زمانے میں آکر یہ مشہور و مستفیض ہوگئیں یا انہیں امت کی تلقی بالقبول حاصل ہوگئی، اس لیے اب ان سے قرآنی حکم کی تقیید اور احکامِ فقہ کی تفریع جائز ہوگئی۔ مگر اس پر بھی یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جس عہد میں مذاہب فقہیہ کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی، اور جب ان مرسل و منقطع روایات کو شہرت و استفاضہ کا درجہ نہیں ملا تھا کیا اس زمانے میں مسلمانوں کے لیے یہ امر ناجائز و ممنوع تھا کہ وہ انہیں احکام کی بنیاد بناتے؟ اگر ایسا تھا تو ان احادیث کو علمائے امت میں عام مقبولیت کیسے حاصل ہوگئی۔

حنفیہ نے نسخ القرآن بالسنۃ کے معاملے میں اپنا خاص نظریہ بیان کرنے کو تو کردیا ہے مگر عمل کی دنیا میں ہر قدم پر اس کی پابندی سختی سے نہیں کی گئی اور اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ احناف کے اس قاعدہ کلیہ سے نہ صرف شافعیہ بلکہ دوسرے ائمہ کو بھی اختلاف ہے۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں نسخ و تخصیص پر کلام کرتے ہوئے مولانا محب اللہ فرماتے ہیں کہ "حنفیہ کے نزدیک کتاب اللہ کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں، اسی طرح سنتِ متواترہ کی تخصیص بھی خبر واحد سے جائز نہیں جب تک کہ تخصیص کے حق میں دلالت و ثبوت کے لحاظ سے کوئی پیشگی قطعی نص موجود نہ ہو۔" پھر فرماتے ہیں:

> والباقون من علماء الاصول مطلقاً سواء خص بقطعی قبله ام لا
>
> (باقی علمائے اصول نے خبر واحد کے ذریعہ سے قرآنی حکم کی تخصیص مطلقاً جائز قرار دی ہے خواہ اس تخصیص کے لیے پہلے سے قطعی نص موجود ہو یا نہ ہو)۔ المطبعۃ الامیریۃ، مع المستصفی، ج ۲، ص ۳۴۹۔

کسی صاحب کو اگر اصول فقہ پر کوئی کتاب یا مضمون لکھنا ہو تو وہ اس میں جس قدر چاہیں دادِ تحقیق دے سکتے ہیں اور حضراتِ حنفیہ کے اس منفرد قاعدے کی تشریح و تائید کرسکتے ہیں۔ لیکن محض جرابوں پر مسح کے سلسلے میں کسی فرد کی رائے کو رد کرنے کے لیے اتنی تمہید باندھنا اور یہ کہنا کہ چمڑے کے موزوں پر مسح کے حق

ہیں بھی اگر دو تین ہی حدیثیں ہوتیں، تب بھی ان کی بنا پر قرآن مجید کے حکم میں کوئی تقیید درست نہ ہوتی کیونکہ اخبارِ آحاد سے قرآن پر زیادتی جائز نہیں ہوتی یا قرآن کا نسخ جائز نہیں ہوتا۔ دینی مسائل کی تفہیم و تبیین کا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ ممکن ہے کہ اس سے مستفید و لطف اندوز ہوں لیکن ایک عام قاری یہ پڑھ کر الجھن اور وحشت ہی میں مبتلا ہوگا کہ دو تین حدیثوں سے تو قرآن منسوخ نہیں ہوتا، نہ اس پر زیادتی جائز ہوتی ہے، اگر بہت ساری حدیثیں مل جائیں تو ان کے بل پر یہ زیادتی جائز ہو جاتی ہے۔ کاش کہ لفظ "زیادتی" کے بجائے ایزادی، اضافہ یا زیادت جیسے الفاظ ہی استعمال کیے جاتے۔ خبرِ واحد اور اخبارِ آحاد کی اصطلاحات بھی ہر شخص بآسانی نہیں سمجھ سکتا۔ نہ عثمانی صاحب نے خود بتایا ہے کہ ان کا مفہوم ان کے اپنے ذہن میں کیا ہے؟ خبرِ واحد کا اطلاق ہر اس حدیث پر ہوتا ہے جو غیر متواتر ہو، خواہ اس کی سند صحیح ہو اور وہ دو تین نہیں بلکہ اس سے زائد سندوں اور طریقوں سے کیوں نہ مروی ہو۔ اور متواتر حدیث وہ ہے جسے ہر مرحلے اور ہر زمانے میں اتنے کثیر التعداد راویوں نے نقل کیا ہو جن کے متعلق عادتاً اور فطری اعتبار سے یہ تصور کرنا محال ہو کہ انھوں نے جھوٹی یا غلط روایت بیان کرنے پر اتفاق اور ایکا کر لیا ہوگا۔ نیز حدیث کا مضمون کسی محسوس و مسموع اور قابلِ مشاہدہ امر پر مشتمل ہو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو صحاح بلکہ صحیحین کی اکثر و بیشتر احادیث جو احکامِ شریعت سے متعلق ہیں اور عبادات و معاملات کی جزئیات و تفصیلات متعین کرتی ہیں وہ سب غیر متواتر اخبارِ آحاد ہیں، اُن پر پوری اُمتِ مسلمہ کے عمل اور ترک و اختیار کا مدار ہے اور اُن کی اکثریت کے بارے میں بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سے "قرآن کریم پر زیادتی یا نسخ یا تقیید لازم آتا ہے۔" ان میں سے ہر حدیث ایسی ہے جس میں قرآن کے الفاظ سے کچھ مختلف یا زائد بات بیان فرمائی گئی ہے، خواہ وہ قرآن کی تشریح ہو یا تخصیص ہو یا علمائے اصول کے ہاں کسی دوسرے نام سے معروف ہو۔ آخر احادیث میں قرآنی آیات تو نہیں دہرائی گئیں۔ اگر ان ساری احادیث پر عمل جائز نہ ہو تو ہمارے پاس گنتی کی کتنی احادیث متواترہ باقی رہ جاتی ہیں جن کی تعمیل واجب یا جائز ہوگی؟

بہرکیف دو تین احادیث نہیں، اگر صرف ایک ایک صحیح الاسناد حدیث بھی موزوں پر مسح یا جرابوں پر مسح کے جواز میں وارد ہو اور کوئی دوسری حدیث خُفّین یا جوربین پر مسح کو ممنوع قرار نہ دیتی ہو تو میرے نزدیک جس طرح خُف پر مسح جائز ہے اُسی طرح جراب پر بھی جائز ہے۔ مدیر "البلاغ" نے لکھا

ہے کہ جن روایات میں جرابوں پر مسح کا ذکر ہے" وہ کل تین حدیثیں ہیں اور تینوں ضعیف ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت بلال رضؓ سے، ایک حضرت ابوموسٰیؓ سے اور ایک حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت ابوموسٰی اشعریؓ کی روایت کردہ حدیثوں کے بارے میں عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ زیلعی نے دونوں کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ دونوں سنداً ضعیف ہیں۔ اب امام زیلعی نے جو کچھ نصب الرایہ میں فرمایا ہے، وہ بھی ملاحظہ کر لیجیے لکھتے ہیں:

اما حدیث بلال فرواہ الطبرانی فی معجمہ من طریق بن ابی شیبہ ثنا ابومعاویہ عن الاعمش عن الحکم عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی عن کعب بن عجرہ عن بلال قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین والجوربین واخرجہ ایضاً عن یزید بن ابی زیاد وابن ابی لیلی عن کعب بن عجرۃ عن بلال قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم..... نحوہ

معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضؓ سے یہ حدیث دو سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم چمڑے کے موزوں پر بھی اور جرابوں پر بھی مسح فرمایا کرتے تھے۔ یہاں خفین اور جوربین کے الفاظ دونوں صراحت سے مذکور ہیں اور دونوں کے درمیان مغایرت کا عطف ہے، دونوں کا ذکر علی الاطلاق ہے، ساتھ ہی کوئی صفت بیان نہیں کی گئی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کے چمڑے کے موزے اور جراب پر مسح ہو سکتا ہے۔ جہاں تک ان حدیثوں کی سند کا تعلق ہے، پہلی حدیث کی سند پر حافظ زیلعی نے قطعاً کوئی کلام نہیں کیا، صرف دوسری حدیث کے دو راویوں کے متعلق لکھا ہے:

یزید بن ابی زیاد وابن ابی لیلی مستضعفان مع نسبتھما الی الصدق، واللہ اعلم

(یزید بن ابی زیاد اور ابن ابی لیلی کو ضعیف خیال کیا جاتا ہے اگرچہ ان کی نسبت صدق ہی جانب ہے یعنی وہ جھوٹے یا غلط بیانی کرنے والے نہیں ہیں)۔

یزید بن ابی زیاد کے نام کے کئی راوی ہیں، اس لیے جلدی میں ان کے متعلق تحقیق مشکل ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کو محدثین کی اکثریت نے ثقہ قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی تقریب میں انہیں ثقہ لکھا ہے،

خود حافظ زیلعی نے دونوں راویوں کے متعلق محتاط الفاظ استعمال کرتے ہوئے ساتھ لکھ دیا ہے کہ وہ صدوق شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری تصنیف "تخریج احادیث المہذب" میں پوری سند کے راویوں کو ثقات لکھا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ عثمانی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت بلالؓ والی حدیث بالکل ضعیف اور خارج از بحث ہے۔

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کردہ حدیث کو لیجیے۔ اس کے متعلق بھی "البلاغ" کے مدیر بس یہ لکھ کر فارغ ہو گئے ہیں کہ حافظ زیلعی نے اس کی سند کو ضعیف لکھا ہے اور امام ابوداؤد نے بھی فرمایا ہے کہ اس کی سند متصل اور قوی نہیں ہے۔ مگر اس حدیث کے متصل یا قوی نہ ہونے کی کوئی تفصیل امام ابوداؤد نے بیان نہیں فرمائی۔ دوسرے محدثین نے اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند میں ضحاک کا سماع حضرت ابو موسیٰؓ سے ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ضعیف راوی ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ ضحاک کا حضرت ابو موسیٰؓ سے حدیث سننا حافظ ابن حجر کے نزدیک ثابت ہے۔ تہذیب التہذیب میں وہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کے حالات میں لکھتے ہیں:

روی عن ابیہ و ابی موسی الاشعری...... تابعی ثقۃ (ضحاک نے اپنے والد اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے اور وہ ایک ثقہ تابعی ہیں)۔

حافظ علاؤالدین ماردینی جو مشہور حنفی محقق ہیں وہ اپنی کتاب الجوہر النقی میں مسح کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس حدیث کے راوی ضحاک کا سماع حضرت ابو موسیٰؓ سے ثابت کرنے کے لیے الکمال سے حافظ عبدالکمال کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

سمع ضحاک من ابی موسیٰ (ضحاک نے حضرت ابو موسیٰؓ سے حدیث سماعت کی ہے)۔

جہاں تک دوسرے راوی عیسیٰ بن سنان کا تعلق ہے اسے اگرچہ بعض محدثین نے لین الحدیث کہا ہے مگر صدوق (سچا) بھی قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس سے روایت لی گئی ہے۔ امام ماردینی نے بھی مذکورۂ بالا مقام پر اس کا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت سننا ثابت کیا ہے۔ امام ذہبی المیزان میں کہتے ہیں کہ بعض نے اس راوی کو قوی شمار کیا ہے۔ پھر حضرت ابو موسیٰؓ کے علاوہ حضرت مغیرہؓ سے بھی اسی مضمون کی روایت سنن ابی داؤد میں موجود ہے جس پر ابوداؤد نے کوئی جرح نہیں کی۔ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے یہ روایت سنن ابن ماجہ، معجم طبرانی اور امام طحاوی کی شرح الآثار

میں بھی موجود ہے، اس لیے اس کا درجہ حسن سے کسی طرح کم نہیں ہے اور اس میں ضعف کا پہلو متعدد محدثین کے نزدیک موجود نہیں۔

حضرت بلالؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری سے مروی حدیث کو رد کرنے اور خارج از بحث قرار دینے کے بعد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ "اب صرف حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث رہ جاتی ہے اور اس کا معاملہ بھی یہ ہے کہ اگرچہ امام ترمذی نے اس کو "حسن صحیح" کہہ دیا ہے لیکن دوسرے جلیل القدر محدثین نے امام ترمذی کے قول پر سخت تنقید کی ہے۔" اس پر تو ان شاء اللہ آگے چل کر بحث ہوگی کہ اب صرف یہی ایک حدیث رہ جاتی ہے یا اور بھی احادیث موجود ہیں جو مسح علی الجوربین کا جواز ثابت کرتی ہیں۔ لیکن بفرض محال مزید کوئی ایسی حدیث نہ ہو تب بھی عثمانی صاحب کا یہ موقف کتنا عجیب و غریب ہے کہ سنن ابی داؤد میں باب المسح علی الجوربین میں سب سے پہلے حضرت مغیرہؓ کی جس حدیث کی باقاعدہ تخریج کی گئی ہے اس کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اس پر خود امام ابو داؤد نے کوئی جرح نہیں کی بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ: مسح علی الجوربین علی بن ابی طالب و ابن مسعود والبراء بن عازب وانس بن مالک و ابو امامۃ وسھل بن سعد وعمرو بن حریث وروی ذالک عن عمر بن الخطاب و ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ گویا کہ امام ابو داؤد کی تصریح کے مطابق ان نو صحابہ کرام نے جرابوں پر مسح فرمایا ہے۔ یہ ساری تفصیل تو عثمانی صاحب نے گول کر دی ہے، البتہ امام ابو داؤد کا صرف یہ قول نقل کر دیا کہ عبدالرحمن بن مہدی یہ حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے، کیونکہ حضرت مغیرہؓ سے معروف روایتیں مسح علی الخفین کی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابن مہدی کو اگر کسی روایت کے بیان کرنے میں تامل ہو تو مجرد اس بنا پر وہ سب کے ہاں ایسے مردود ہو جائے گی جب کہ دوسرے محدث اور ثقہ راوی اسی مضمون کی احادیث روایت کر رہے ہیں جو جرابوں پر مسح کا جواز ثابت کر رہی ہیں۔

پورے ذخیرۂ احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں یہ بیان ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ چمڑے کے موزے ہی پر مسح فرمایا ہے اور غیر چرمی موزے یا جراب پر کبھی مسح نہیں فرمایا۔ پھر کوئی قولی حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں آنحضورؐ نے یہ فرمایا ہو کہ صرف چمڑے کے موزے ہی پر مسح جائز ہے، جراب پر جائز نہیں ہے، یا صرف ایسی جراب پر جائز ہے جس میں یہ اور یہ شرطیں موجود ہوں اور "جن سے جراب اپنی خصوصیات و اوصاف میں چمڑے کے ہم پایہ ہو گئی ہو۔" اگر حضرت مغیرہؓ سے

چند احادیث موزوں پر مسح کی ہوں اور ایک ہی حدیث جرابوں پر مسح کی مروی ہو تو دونوں قسم کی احادیث میں ہرگز کوئی تخالف وتعارض لازم نہیں آتا۔ تعارض صرف اس صورت میں واقع ہوتا جب یہ دو قسم کی روایت ایک ہی سفر اور ایک ہی نماز سے متعلق ہوتی اور ایک روایت میں چرمی موزے اور دوسری میں جراب کا ذکر ہوتا۔ جس طرح کسوف وخسوف اور استسقاء کی نمازوں سے متعلق احادیث میں ہیئت، دعا، رکوع وسجود وغیرہ کی تفصیلات کو تعدد واقعات پر محمول کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے اسی طرح حضرت مغیرہؓ اور دوسرے صحابہ کرام کی مرویات جو موزوں اور جرابوں پر مسح سے متعلق ہیں انہیں کیوں الگ الگ واقعات شمار نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ سورج گرہن اور چاند گرہن کا واقعہ سفر اور پاؤں پر مسح سے زیادہ نادر الوقوع ہے۔

عثمانی صاحب حضرت مغیرہؓ کی حدیث مسح علی الجوربین کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ متعدد محدثین نے اس حدیث کو ابوقیس اور ہزیل بن شرحبیل دونوں راویوں کے ضعف کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ اس اعتراض کا وہ جواب بالکل کافی وشافی ہے جو حافظ علاؤ الدین ماردینی نے "الجوہر النقی" میں دیا ہے۔ یہ حنفی فقیہ ومحدث ہیں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ حضرت مغیرہؓ سے روایت کردہ جرابوں پر مسح والی حدیث کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

> اس حدیث کی ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ ابن حبان نے اسے صحیح اور ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوقیس جن کا نام عبدالرحمن بن ثروان ہے انہیں ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے اور العجلی نے بھی اس کی توثیق وتثبیت کی ہے۔ ہزیل کو بھی عجلی نے ثقہ لکھا ہے اور ان دونوں راویوں سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ پھر ان دونوں نے دوسرے راویوں کے مخالف ومعارض روایت نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے ایک مستقل سند اور الگ طریق سے زائد بات کی روایت کی ہے جس کا تعارض دوسری احادیث سے نہیں ہے۔ ان دونوں روایتوں کو (یعنی اس روایت کو جس میں جراب کا ذکر نہیں اور جس میں ہے) الگ الگ حدیث شمار کیا جائے گا۔ اس سبب یہ حدیثِ مسح علی الجوربین صحیح ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا۔"

حافظ ابن حجر نے تقریب میں ابوقیس عبدالرحمن بن ثروان کو صدوق اور ہزیل بن شرحبیل کو ثقہ تحریر

کیا ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہزیل کے متعلق جتنے بھی محدثین کے اقوال درج ہیں، ان سب نے اس راوی کو بلا استثنا ثقہ قرار دیا ہے اور کسی ایک نے بھی جرح کا کوئی کلمہ استعمال نہیں کیا۔ اس کے بعد ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ عثمانی صاحب کی یہ بات کس حد تک وزن اور صداقت کی حامل ہے کہ یہ راوی ضعیف ہیں۔ عثمانی صاحب کو نصب الرایہ میں جو کچھ اپنے مطلب کا نظر آسکا، وہ تو انہوں نے درج کر دیا ہے لیکن نصب الرایہ کے مصنف امام زیلعی نے اپنے شیخ تقی الدین اسکندری کی جو رائے خاتمۂ کلام کے طور پر نقل کی ہے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ رائے یہ ہے:

قال الشیخ: ومن یصححه یعتمد بعد تعدیل ابی قیس علی کونه لیس مخالفاً لروایة الجمهور مخالفة معارضة بل هو امر زائد علی ما رووه ولا یعارضه ولا سیما وهو طریق مستقل بروایة هذیل عن المغیرة لم یشارك المشهورات فی سندها۔ (نصب الرایہ، الجزء الاول مجلس علمی، ص۱۸۵)[1]۔

(شیخ تقی الدین نے فرمایا: جن حضرات نے حضرت مغیرہؓ سے مروی جرابوں پر مسح والی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان کا اعتماد اس امر پر ہے کہ اوّل تو ابوقیس ایک عادل راوی ہیں، پھر ان کی روایت کا اختلاف جمہور کی روایت سے معارضے کی نوعیت نہیں رکھتا بلکہ ابوقیس والی روایت میں دوسرے راویوں کی روایت سے ایک زاید بات بیان کی گئی ہے، بالخصوص جبکہ ہذیل[1] کی حضرت مغیرہؓ سے روایت کردہ حدیث کی سند مستقل ہے جس میں دوسری مشہور روایتوں کے ساتھ اسناد میں اشتراک نہیں ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مغیرہؓ سے مسح علی الجوربین والی روایت اپنی جگہ ایک مستقل صحیح حدیث ہے اور مسح علی الخفین والی احادیث سے متصادم و معارض نہیں ہے۔ ملا علی قاری مرقاۃ شرح المشکوٰۃ میں حضرت مغیرہ سے مروی حدیث مسح علی الجوربین کے تحت فرماتے ہیں:

---

[1] مجلس علمی کے مطبوعہ نسخہ "نصب الرایہ" میں ہذیل ذ کے ساتھ چھپا ہے مگر دوسری کتابوں میں ہزیل ز کے ساتھ ہے۔

قد اجاز المسح فوق الجوربين جماعة من السلف وذهب اليه نفر من فقهاء الامصار منهم سفيان الثوري واحمد واسحق وقال مالك بن انس والاوزاعي والشافعي لا يجوز المسح على الجوربين - رواه احمد والترمذي وقال حسن صحيح ورُدّ بان المعروف من رواية المغيرة المسح على الخفين واجيب بانه لا مانع من ان يروي المغيرة اللفظين وقد عضده فعل الصحابة ، قال ابو داود ومسح على الجوربين علي وابن مسعود وابو امامه وسهل بن سعد وعمرو بن حريث وروي ذالك عن عمر وابن عباس وهو اعم ان يكونا مجلّدين بان كان الجلد اعلاهما واسفلهما او منعلين بان كان الجلد اسفلها فقط او ثخينين مستمسكين على الساق في قول ابي يوسف ومحمد وابي حنيفة آخرا وعليه الفتوى -

(سلف کی ایک جماعت نے جرابوں پر مسح جائز قرار دیا ہے اور فقہاء امصار کی ایک تعداد کا یہی مسلک ہے جن میں امام سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ شامل ہیں۔ اور امام مالک، امام اوزاعی اور امام شافعی اس کے جواز کے قائل نہیں۔ حضرت مغیرہؓ کی یہ روایت مسند احمد اور سنن ترمذی میں مروی ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام ترمذی کی تردید یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ حضرت مغیرہؓ سے معروف روایت مسح علی الخفین کی ہے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ حضرت مغیرہؓ نے دونوں الفاظ (خفین اور جوربین) روایت کیے ہوں، اور جرابوں پر مسح کو صحابہ کرام کے فعل سے تائید ملتی ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت علی، ابن مسعود، ابوامامہ، سہل بن سعد، عمرو بن حریث حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور یہ جواز عام ہے، اس کے ساتھ مشروط نہیں کہ جرابیں مجلد ہوں، یعنی ان کے اوپر نیچے چمڑا چڑھا ہو یا منعل ہوں، یعنی چمڑا دونوں کے فقط نیچے ہو یا وہ جرابیں موٹی اور پنڈلی سے چمٹ جانے والی ہوں جیسا کہ امام ابو یوسف؛ امام محمد کا قول ہے یا امام ابوحنیفہ کا بھی آخری قول ہے اور اس پر فتویٰ ہے) مرقاۃ، ج ۲، ص ۳۴۶، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

امام علی القاری کی یہ انصاف پسندی اور دیانت ہے کہ انہوں نے اپنے مسلک حنفی کا فتویٰ بھی بیان

کر دیا مگر اس سے پہلے یہ بھی واضح فرما دیا کہ مسئلہ اصحاب سلف اور فقہائے امت میں مختلف فیہ ہے۔ دونوں طرف احادیث و آثار ہیں اور جرابوں پر جو قیود حنفیہ نے لگائی ہیں حدیث و آثار میں مذکور نہیں بلکہ وہ عمومی جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مدیر البلاغ کا کہنا یہ ہے کہ احادیث و آثار میں باریک جرابوں کا ذکر نہیں، حالانکہ وہاں ذکر نہ باریکی کا ہے، نہ موٹاپے کا ہے۔ بہت سے علماء اور غیر علماء چمڑے کے باریک پائتابے جرابوں پر سلوا کر ان پر مسح کرتے ہیں۔ اگر اس باریک چمڑے پر مسح ہو سکتا ہے تو جراب پر کیوں نہیں ہو سکتا؟ جس طرح چمڑا، بہرحال چمڑا ہے خواہ دبیز ہو یا رقیق، اسی طرح جراب بہرحال جراب ہے خواہ موٹی ہو یا پتلی۔ دونوں کا مقصد پاؤں کو ڈھانکنا ہے اور کوئی مؤثر فرق دونوں میں نہیں۔